ایک ملازم کی حیثیت سے اس جماعت میں شریک تھا لیکن سازش کے تعلق سے اس کو اعتماد میں لے لیا گیا تھا۔"

"غیر معمولی شخص" کے الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ سی آئی ڈی نے غازی مرحوم کو ایک ملازم اور حضرت مولانا محمود حسن کے ذاتی خدمت گار کی حیثیت سے زیادہ اہمیت دی تھی آخر میں کیس کی شخصیات کے سلسلے میں ان کے بارے میں یہ چند سطریں ہیں:-

"جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر ہے، کاکوری (یوپی) کا باشندہ ہے۔ اس کو غازی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس نے جنگ بلقان میں ترکوں کی طرف سے حصہ لیا تھا جب مولانا محمود حسن مکہ پہنچے تو یہ مکہ میں تھا۔ کیونکہ بے وسیلہ تھا اس لئے طے پایا تھا کہ وہ کھانا تیار کرنے میں مدد دے گا جس کے بدلے میں اسے مفت کھانا دیا جائے۔ بعد میں مولانا کا معتقد اور پیرو ہو گیا۔ مکہ و مدینہ میں خفیہ میٹنگوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ غالباً اس وقت شام میں ہے اور ترکی فوج میں بھرتی ہونے کی کوشش کر رہا ہے"۔

ابو شاھد

ٹیپو شہید اپنی سیرت کے آئینے میں

تو رہ نوردِ شوق ہے؟ منزل نہ کر قبول / لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول
اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز / ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول
کھویا نہ جا صنم کدہ کائنات میں / محفل گداز! گرمیِ محفل نہ کر قبول
صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے / جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول
باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے / شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

یہ پانچ شعر علامہ اقبال نے "سلطان ٹیپو کی وصیت" کے عنوان سے لکھے تھے جو ان کے مجموعہ کلام "ضرب کلیم" میں شامل ہیں ان اشعار میں علامہ مرحوم نے ٹیپو شہید کی فکر اور سیرت کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کے بعد ان کے خصائص فکر و سیرت کے باب میں کچھ کہنے کو نہیں رہ جاتا۔ ان اشعار کی تشریح بجائے خود ایک موضوع ہے لیکن اس کے لئے نہ کسی بلند پروازیٔ فکر کی ضرورت ہے نہ تخیل آفرینی اور ذہنی کاوشوں کی، کسی مقرر کی طلاقت لسانی، کسی ادیب کی جرأت نگارش اور کسی سامع کا ظرف سماعت جس حد تک اجازت دے، اس شہید قوم کی زندگی اور اس کے افکار و احساسات کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرتے رہے۔ یہی علامہ اقبال کے ان اشعار کی تفسیر ہوگی اور جب اس مقرر کی قوت بیان، ادیب کی روانیٔ قلم اور سامع اور قاری کی ہمت جواب دے جائے، اقبال کے ان اشعار کو پیش کر کے بیان ختم کر دیجئے ان میں ٹیپو شہید کی زندگی اپنے خصائص اور محاسن کی تمام دل ربائیوں کے ساتھ سمٹ آئے گی۔

ان اشعار میں حضرت ٹیپو شہید کے فکر اور سیرت کی رنگینیاں ہی معرض تحریر میں نہیں آگئی ہیں بلکہ یہ شہید کا اپنی قوم اور اپنے اہل وطن کے لئے ایک پیغام بھی ہے۔ ایک ایسی قوم کے لئے جو دنیا میں سربلند رہنا چاہتی ہے اور آبرو مندانہ زندگی کی خواہاں ہے، اس پیغام سے بڑھ کر کوئی اور پیغام نہیں ہو سکتا لیکن علامہ مرحوم نے اس کے لئے پیغام، پیام، دعوت فکر یا قسم کا کوئی دوسرا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ "وصیت" کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس طرح ان اشعار کے قاری یا سامع کے لئے ان اشعار اور ان میں مضمر دعوت کی تاثیر اور دل نشینی میں اور زیادہ اضافہ کر دیا ہے۔ اس طرح ٹیپو کی ذات اور افکار و سیرت سے علامہ اقبال نے اپنی عقیدت کا بھی موثر انداز اور نادر اسلوب میں اظہار کر دیا ہے۔

اقبال کے حوالے ہی سے بات کو آگے بڑھایا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری میں "مرد مومن" کی جس شخصیت کا تعارف کرایا ہے اگر اس چراغ ہدایت کی روشنی میں برصغیر پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ پر نظر ڈالی جائے تو گزشتہ تین صدیوں میں ٹیپو شہید کے سوا ہمیں کوئی اور ایسی شخصیت معلوم نہیں ہوتی جس کے تامت زیبا پر فکر و سیرت کا یہ جامہ موزوں ہو اور اپنے افکار و عزائم کی اس بلندی سے قوم کو مخاطب کر سکے اور اسے کوئی پیغام دے سکے یا قوم کو وصیت کر سکے۔

سلطان فتح علی ٹیپو کی زندگی اس کے بچپن سے شہادت تک محاسن فکر و سیرت کا ایک نادر نمونہ ہے۔ اس کی زندگی کے جس واقعہ پر نظر پڑتی ہے اس کی صدائے حال اس کے سوا کچھ اور نہیں ہوتی کہ

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا این جاست

ٹیپو شہید کی ولادت کا واقعہ اٹھارھویں صدی عیسوی کے ٹھیک وسط یعنی ۱۷۵۰ء سے ۱۷۵۲ء تک کا واقعہ ہے۔ لیکن ان کی زندگی میں عقیدے کی صحت، عمل کی پاکیزگی، عزم کی بلندی، نیت کے اخلاص، ذاتی اغراض سے بے نیازی، جان و مال کے ایثار اور زندگی کے اغراض میں ذات کے بجائے دین و ملت کی سرافرازی کے نصب العین اور اپنے تمام روابط و تعلقات میں للہیت کے جذبے اور ان کی بے لوثی اور سیرت کے کمالات ایسے ہیں کہ

ان کا شمار اُس دور کے مطلق العنان سلطانوں اور آمریوں کے بجائے قرن اولی کے مسلمانوں کی صف میں کیا جائے۔

علامہ اقبال نے ایک جگہ مسلمان سلاطین کی تعریف اوران کے خصائص سیرت میں چار لفظ جہانگیری، جہانداری، جہاں بانی اور جہاں آرائی استعمال کئے ہیں عام طور پر ان الفاظ کو مترادفات میں شمار کیا جاتا ہے لیکن درحقیقت یہ مسلمان سلاطین کے افکار و عزائم کے چار مرتبے یا اسلامی حکومت کے چار مقاصد عالیہ ہیں جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اسلامی حکومت کے قیام کا آغاز فتوحات سے ہوتا ہے۔ یہ گویا کہ جہانگیری کا درجہ ہوا۔ لیکن ایک مسلمان فاتح ملک فتح کرکے ہی مطمئن نہیں ہوجاتا بلکہ مقبوضات و مفتوحات کو ایک سیاسی نظام بھی دیتا ہے۔ یہ مقام جہانگیری کے بعد جہاں داری کا ہے۔ اس کے بعد اس کے سامنے ملک کے حفظ و دفاع کا عظیم مقصد ہوتا ہے اس کی یہ کوشش کسی ایک قوم یا طبقے کے لئے محدود نہیں ہوتی بلکہ وہ ہر قوم، ہر مذہب اور ہر طبقے کے اور کمزور سے کمزور تر باشندہ ملک کا نگہبان و نگران اور اس کے حفظ و دفاع کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ لیکن یہاں پہنچ کر بھی اس کا کام ختم نہیں ہوجاتا اب اس کے سامنے ملک کی تعمیر و ترقی اور اس کے نظم و انتظام کی درستگی کا عظیم مقصد ہوتا ہے۔ علامہ اقبال کی زبان میں یہ مقام جہاں آرائی کا ہوتا ہے اور ایک مسلمان فاتح کا قبضہ و اقتدار، اس کا سیاسی نظام، اس کی تعمیر و ترقی اور نظم و انتظام کی درستگی گویا کہ ایک فیضان عام ہوتا ہے جس سے مملکت کا ہر باشندہ بلا تفریق حاکم و محکوم، بلا امتیاز مذہب و ملت اور بلا لحاظ زیر و زبر فیض اٹھاتا ہے۔ یہ گویا کہ ایک مسلمان سلطان کے عزائم کا سب سے بلند درجہ اور اسلامی حکومت کے خصائص کی نمود کا اعلیٰ مرتبہ ہورہا ہے۔ ٹیپو شہید کی سرکار خداداد اور میسور کی مملکت خداداد میں مسلمانوں کی مثالی حکومت کے ان مراتب اربعہ کو دیکھا جاسکتا ہے۔

ٹیپو شہید کے جوہر سیرت کا اظہار اگرچہ سب سے زیادہ اس کی فنون سپہ گری میں مہارت، ایک سپہ سالار کی حیثیت سے اس کی اعلیٰ دماغی اور ایک سپاہی کی حیثیت سے اس کے عزم و استقامت میں ہوا ہے لیکن اپنے وقت کا بہت بڑا سیاستداں، وقت

کی سیاسی رفتار وحالات کا نباض، اعلی درجے کا منتظم اور میدان جنگ سے لے کر انتظام اور تدبر وسیاست تک کے کار ہائے پیچیدہ وصبر آزما ہمت شکن کا واقف اور رمز شناس بھی تھا۔ ٹیپو شہید اپنی ذہنی صلاحیت، دماغی قابلیت، عزم کی بلندی، عمل کی استقامت اور سیرت کی پختگی کے لحاظ سے ایک جامع شخصیت تھا، اس کی نظر تیز اور باریک بین تھی، علامہ شبلی نعمانی نے اورنگ زیب کی جامعیت کے بارے میں اپنے مشہور مضمون میں جو کچھ لکھا ہے وہ ٹیپو شہید پر صادق آتا ہے۔ اس کی زندگی کے شب و روز میدان جنگ میں بسر ہوئے لیکن اس کے باوجود ملک کی انتظامیہ، عدلیہ، تعمیر و ترقی اور عوام کی فلاح و بہبود کے منصوبوں، خارجہ تعلقات، سیاسی حکمت عملی، ملک کی اندرونی ریشہ دوانیوں، اپنوں کی بیگانہ روشی، دشمنوں کی چیرہ دستیوں، فرانس، ترکی، ایران، افغانستان سے لے کر ملکی ریاستوں کے معاملات و تعلقات تک اور مرکزی انتظامیہ و عدلیہ کے ڈھانچے سے لے کر شہر و قصبات کے حالات کی درستگی تک کے مسائل کا تعلق ہے کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی ایسی نہ تھی جو اس کی توجہ فرمائی سے محروم ہوتی۔

اس نے ملک میں ایک مستحکم سیاسی نظام قائم کیا، ملک کے ہر باشندے کے لئے آسان طریقے پر انصاف فراہم کرے، ملک کی ترقی کے لئے زراعت، صنعت اور تجارت کے شعبوں کو منظم کیا عوام کی فلاح و بہبود اور ان کی اخلاقی، سماجی اور اقتصادی حالات کی درستگی کے لئے اصلاحات نافذ کیں، ملک کی رونق اور آبادکاری پر خاص توجہ دیں۔ تجارت کی توسیع کے لئے بیرونی ملکوں سے روابط پیدا کیئے، دور دور سے کاری گر بلا کر اپنے ہاں ہر قسم کی صنعتیں جاری کیں میسور کی موجودہ صنعتی و تجارتی ترقی کی سب سے پہلی اینٹ ٹیپو ہی نے رکھی۔ ریشم کی صنعت جس پر آج میسور کو واجبی طور پر ناز ہے اسی کی رائج کردہ ہے۔ اس نے دوسرے ممالک سے ریشم کے کیڑے منگوا کر ان کی پرورش و پرداخت کا طریقہ اپنی رعایا کو سکھایا اس نے جواہر تراش اور اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کیے۔ زراعت بہت ترقی کر گئی کیونکہ افتادہ زمینیں نرم شرطوں پر مزارعین کو دی جاتی تھیں۔ آب پاشی کے لئے جابجا تالاب بنوائے کاویری پر ایک بند باندھنے کا سنگ بنیاد بھی رکھا تھا اور ایک کتبہ پر کندہ کرایا تھا کہ بندگی

وجہ سے جو آمدنی ہو اس کا معتد بہ حصہ رعایا کی فلاح و بہبود پر صرف کیا جائے۔

گنے، گندم، جو اور پان کی کاشت سے خاص دلچسپی تھی، درختوں میں سے چیڑ، سال، ساگوان، سپاری، صندل اور ناریل لگانے پر زور دیا جاتا تھا ریشم کے کیڑے پالنے کا خیال آیا تو بارہ محل میں بہ کثرت توت لگوائے۔ اس امید سے شاہ بلوط منگوائے، روئی اور تیل کی کاشت بھی کروائی، پھل والے درختوں میں سے آم، سنترے، سیب اور امرود خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ غریب کاشتکاروں کو تقاوی پر روپیہ دیا جاتا تھا۔

حکومت کے مختلف محکموں کے لئے کچہریوں کا نام تجویز کیا تھا۔ مثلاً میر آصف کچہری (مال گزاری اور فینانس) میر میران کچہری (فوج) میر صدر کچہری (توپ خانہ و قلعہ نشین افواج) ملک التجار کچہری (تجارت) میریم کچہری (بحریات) میر خزائن کچہری (خزانہ دار الضرب) توشہ خانہ کے دو حصے تھے، نقدی اور جنس۔ بحریات کا مستقل محکمہ سلطان ہی نے قائم کیا فوج کی تنظیم اور نقل و حرکت کے قواعد مرتب کرائے، سلطان کو فن جہاز رانی سے بھی شغف تھا، وہ جہازوں کے نقشے خود تیار کرتا تھا۔ مقناطیسی پہاڑوں سے جہازوں کو بچانے کے لئے لوہے کے بجائے تانبے کے استعمال کا طریقہ سلطان ہی نے ایجاد کیا۔ اس نے بندرگاہوں کو وسیع کیا، ساحلی حفاظت کے لئے سمندری فوجیں قائم کیں۔

مولانا غلام رسول مہر نے ٹیپو شہید کی سیرت کے اس پہلو اور اس کی ایسی جامعیت پر حیرت کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے :

> حیرت ہوتی ہے کہ جس فرمانروا کی زندگی کا ایک ایک لحہ شہزادگی سے آخر تک مسلسل خوفناک لڑائیوں میں گزرا ہے ان تمام معاملات پر توجہ کا وقت کیوں کر ملتا تھا۔"

ٹیپو شہید ان اصحاب بصیرت مسلمانوں میں سے تھا۔ جنہوں نے برٹش استعمار کی بڑھتی ہوئی طاقت اور برصغیر پاک و ہند کو اس سے خطرات کا سب سے پہلے اندازہ کر لیا تھا۔ وہ اگر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی طرح قوم کی صرف فکری رہنمائی کر جاتا تب بھی اس کی عظمت اور قومی و ملی بہی خواہی کے لئے کافی ہوتا لیکن ٹیپو شہید صاحب فکر ہی نہیں صاحب

عمل بھی تھا اور اسی لئے اس نے اس مرض کا علاج سوچا ہی نہیں اور اپنے افکار کی کتابوں میں مدون نہیں کر گیا بلکہ اپنے وسائل کی حد تک نہایت خوش تدبیری کے ساتھ اس کے علاج پر بھی توجہ کی۔ چنانچہ اس مرض کے دفعہ کے لئے ایک طرف تو اس نے مسلم عوام اور عام اہالیان ملک میں اس خطرہ کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کی دوسری طرف اپنے قرب وجوار کی قوتوں کو متحد و متفق ہو کر اس خطرے کے انسداد کے لئے کوئی تدبیر اور لائحہ عمل سوچنے کی دعوت دی اور ملکی قوتوں کو دعوت اتحاد کی بین الاقوامی سطح پر فرانس، ترکی ایران اور افغانستان سے تعلقات استوار کرنے اور ان میں اشتراک و تعاون کی روح پیدا کرنے کی کوشش کی۔

مولانا غلام رسول مہر نے ٹیپو سلطان کی سیرت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:۔

"سلطان خود عالم اور اہل علم کا قدر دان تھا۔ اوضاع واطوار بڑے پسندیدہ تھے اہل اسلام کی پرورش پر خاص توجہ تھی۔ نماز صبح کے بعد التزاماً قرآن مجید کی تلاوت کرتا، ہر وقت باوضو رہتا۔ حیاداری کا یہ عالم تھا کہ حمام میں بھی کپڑا باندھ کر نہاتا تھا، عمر بھر میں پاؤں اور ہاتھوں کے سوا جسم کا کوئی حصہ برہنہ نہ ہوا کبھی ایسا کپڑا نہ پہنا جس میں نماز جائز نہ ہو۔ دستار پر سفید رومال رکھ کر ٹھوڑی کے نیچے باندھ لیتا، آخری دور میں سبز رنگ کی شملہ دار دستار پہنتا تھا، قلمرو کی اکثر ہندو عورتیں سر وسینہ کھولے پھرنے کی عادی تھیں۔ حکم دے دیا تھا کہ کوئی عورت کرتے اور اوڑھنی کے بغیر باہر نہ نکلے، شجاعت میں سب پر فائز تھا، شہسواری اور نیزہ بازی میں کوئی اس کا نظیر نہ تھا۔ اختراعات میں اسے کمال حاصل تھا سنہ مولودی یا محمدی سنہ ہجری کے ساتھ جاری کیا، نئے سکے جاری کئے اور ان کے نئے نام (احمدی، صدیقی، امامی، عابدی وغیرہ) رکھے نئی وضع کی بندوقیں اور توپیں بنوائیں۔ ڈھالیں ایسی تیار کرائیں جن پر تیر گولی کا اثر نہیں ہوتا تھا مکروہات ومنہیات سے ہمیشہ احتراز رہا۔ تمام فرامین کی پیشانی پر اپنے ہاتھ سے بسم اللہ خط طغرا میں لکھتا اور نیچے دستخط کرتا تھا۔

معاہدہ سرنگاپٹنم میں صرف سلطنت چھوڑنا پڑی تو پلنگ پر سونا ترک کر دیا۔ کھادی کے تھان فرش پر بچھا کر سو جاتا تھا۔

نماز کا پابند تھا۔ جب مسجد اعلیٰ کا افتتاح ہوا تو سوال اٹھا کہ پہلی نماز کون پڑھائے۔ اس وقت بڑے بڑے علما اور مشائخ آئے ہوئے تھے۔ طے پایا کہ جو شخص صاحب ترتیب ہو وہ امامت کرے مگر صاحب ترتیب کوئی نہیں تھا۔ سلطان نے کہا "الحمد للہ! میں صاحب ترتیب ہوں، چنانچہ پہلی نماز کی امامت خود سلطان نے کی۔

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں اورنگ زیب عالمگیر کے انتقال ۱۷۰۷ء کے بعد مسلمانوں کے ادبار کا جو دور شروع ہوا تھا اور ملک کی سیاست میں انگریزوں کا جو عمل دخل تیزی کے ساتھ بڑھا تھا اس کا پہلا عظیم الشان مظاہرہ جنگ پلاسی کے میدان میں ۱۷۵۷ء میں معرکے میں سراج الدولہ نے شکست کھائی اور مشرقی ہند میں انگریزوں کے قدم مضبوطی کے ساتھ جم گئے دوسرا قومی حادثہ ۱۷۷۴ء میں نواب حافظ رحمت اللہ خان کا واقعہ شہادت (۲۳ اپریل ۱۷۷۴ء) تھا۔ اودھ کے نواب شجاع الدولہ کی عاقبت نااندیشی نے انگریزوں کے لئے مشرقی ہند سے لے کر اودھ اور یوپی کے وسطی علاقے تک کا میدان صاف کر دیا۔ اس کے بعد نواب آصف الدولہ نے انگریزوں کے لئے دہلی تک کا میدان صاف کر دیا ۱۷۹۴ء میں نواب غلام محمد خان والی رام پور کی ناکامی نے شمالی مغربی سرحد تک انگریزوں کے قدموں کے لئے کوئی رکاوٹ نہ چھوڑی۔ اب مشرق اور شمال مغرب کی طرف سے انگریز بالکل مطمئن تھے کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو انگریزوں کی بساطِ سیاست کے لئے خطرہ بنتی اور ان کے لئے مشکلات پیدا کرتی۔ لیکن دکن میں ابھی ایک طاقت ایسی جو انگریزی بساطِ سیاست کی شاطرانہ چالوں کو نہ صرف اچھی طرح سمجھتی تھی بلکہ اس کا توڑ بھی جانتی تھی اور اس کے لئے عملی وسائل کرنے سے بھی دریغ نہ کر رہی تھی دکن کی یہ طاقت سلطان فتح علی ٹیپو کا وجود گرامی تھا۔ اس سے نمٹنے کے لئے انگریز شاطروں نے اپنے تمام مہرے اور سب ہی داؤ استعمال کر ڈالے اور جس روز برصغیر کے اس مایۂ ناز سپوت نے جام شہادت نوش کیا، مسلمانوں کی تیغ جوہر دار ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ انگریز پکار اٹھا کہ اب ہندوستان ہمارا ہے، اب مشرق ہمارا ہے۔ اب ان کے عزائم کے لئے کوئی رکاوٹ نہ تھی برصغیر پر انگریزوں کے رسمی قبضہ و تسلط اور باقاعدہ حکومت کے قیام کا اعلان تو اس کے بعد ہوا۔ اس کا فیصلہ ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو سرنگاپٹنم میں ہو گیا تھا۔